محمد بلال

ابوشعیب صفدر علی کی یاد میں

جو والدین مال و دولت چھوڑ کر دنیا سے رخصت نہیں ہوتے ، اکثر ان کی اولاد انھیں تمام عمر کوستی رہتی ہے ۔ وہ شکن آلود چہرے اور شکوہ آمیز لہجے میں یہی کہتی ہے کہ ہمارے والد نے تو ہمارے لیے کچھ نہیں کیا۔لیکن وہ اس معاملے میں دنیا سے بالکل مختلف آدمی تھے۔ وہ اصل دولت اور اصل جائداد سے واقف تھے۔ان کے والد مولانا نقش بند ایک گاؤں کی مسجد میں مولوی تھے۔مختلف لوگ اپنے گھروں سے ان کے لیے روٹیاں بھیجا کرتے تھے۔نکاح پڑھانے کی کچھ خدمت کر دیا کرتے تھے۔جنازہ پڑھانے پر کچھ کپڑے وغیرہ دے دیا کرتے تھے۔ان کے والد تھے تو مولوی ہی ،مگر ''مولوی'' اپنے لغوی مفہوم میں ، نہ کہ اصطلاحی مفہوم میں ۔انھوں نے یہ روٹیاں ، پیسے اور کپڑے ،سب کچھ وصول کرنے سے انکار کر دیا۔بطور استاد زمین داروں سے معاوضہ وصول کرنا بھی بند کر دیا۔وہ گھاس کاٹتے اور منڈی میں جا کر فروخت کرتے ۔اس کے علاوہ ایک اسکول میں پڑھانے کا سلسلہ بھی شروع کر دیا۔اس کے باوجود گھر میں بہت غربت تھی ۔بعض اوقات گھر میں کھانا نہ پکتا۔ بچوں کو تھوڑے سے دودھ میں پانی ڈال کر،اس کے ساتھ روٹی کھلا دی جاتی ۔بچوں کے اسکول کی معمولی فیس دینے کے لیے ادھار لینا پڑتا۔لیکن اس کے باوجود دین واخلاق کی دولت حاصل کرنا ان کی پہلی ترجیح رہی ،جس کے نتیجے میں انھیں اور ان کی اولاد کو غیر معمولی عزت ملی۔گاؤں میں کوئی لڑائی جھگڑا ہو جاتا تو کوئی تھانے نہ جاتا،ایسے تمام مسائل مسجد میں ان کے والد کے پاس آتے اور وہ مسجد ہی میں انھیں نمٹا دیتے ۔ بڑے بڑے رئیس راہ چلتے ان کے سامنے آ جاتے تو ان کے گھٹنوں کو چھو کر گزرتے ۔ان کی عورتیں کسی گلی سے گزرتیں اور سامنے سے کوئی مرد آ جاتا تو واپس مڑ جاتا اور ان کے لیے گلی خالی کر دیتا۔لیکن گھر میں غربت پوری طرح موجود تھی ۔اسی غربت کا ترکہ چھوڑ کر یہ مولوی صاحب دنیا سے رخصت ہو گئے ۔لیکن ان کے یہ برخوردار شکوہ سنج نہیں ہوئے ، بلکہ اپنے والد کے لیے یہ شعر کہے:

وہ مرشد مرے اور استاد بھی ہیں
نہاں خانۂ دل میں آباد بھی ہیں

رگوں میں مری ان کا خوں دوڑتا ہے
میری فکر صالح کی بنیاد بھی ہیں

مولانا نقش بند کے اس فرزند صالح کا نام ہے، صفدر علی گوندل۔

آہ! ۲۲ جولائی ۲۰۰۲ کو پیر کے روز صبح ساڑھے چار بجے صفدر صاحب وفات پا گئے۔ ان کی عمر ۶۲ برس تھی۔ وہ استاذ گرامی جناب جاوید احمد صاحب غامدی کے شاگرد ہی نہیں، ان کی علمی تحریک کے ابتدائی اور بہت قریبی ساتھیوں میں سے تھے۔ غامدی صاحب کے رسائل ''الجریدہ'' اور ''الاعلام'' میں ان کا نام سرورق پر شائع ہوتا رہا ہے۔ غامدی صاحب بتاتے ہیں کہ ابتدا میں میرے اور ان کے مابین اتفاق زیادہ اور اختلاف بہت کم تھا، لیکن آہستہ آہستہ اختلاف بڑھتا گیا اور اتفاق بہت کم رہ گیا، لیکن اس کے باوجود باہمی محبت میں کوئی کمی نہیں ہوئی۔

صفدر صاحب کا تعلق ضلع سرگودھا کے کے ایک گاؤں دھریمہ سے تھا۔ وہیں ایک اسکول میں استاد بھی رہے۔ مڈل تک باقاعدہ تعلیم حاصل کی۔ باقی تعلیم نجی طور پر حاصل کی۔ مڈل ہی سے خطابت کا آغاز کر دیا۔ ۴۲ برس کی عمر میں ایم اے اسلامیات کیا۔ وہ گورنمنٹ کالج، سرگودھا میں استاد تھے۔ والد صاحب جماعت اسلامی کے رکن ہونے کے علاوہ امیر ضلع بھی تھے۔ صفدر صاحب جماعت اسلامی کے کارکن تھے۔

گھر والوں کو ان کی جان لیوا بیماری کا علم ان کی وفات سے ایک مہینا قبل ہوا، جب ان کی آنکھوں کا رنگ پیلا ہوا تو گھر والوں کو یرقان کا اندیشہ ہوا۔ ٹسٹ وغیرہ کرائے گئے۔ یرقان کی تصدیق نہ ہو سکی، لیکن یہ زیادہ پریشانی کی بات تھی۔ پھر دیگر ٹسٹ ہوئے۔ جگر اور پتے کے درمیانی حصے میں کینسر کی تشخیص ہوئی۔ ڈاکٹروں نے کہا کہ سرجری سے وہ تین مہینوں سے پانچ برس تک زندہ رہ سکتے ہیں، ورنہ یہ چند ہفتوں کی بات ہے، لیکن سرجری سے معذوری کی کوئی صورت بھی پیدا ہو سکتی ہے۔ صفدر صاحب سرجری کے لیے آمادہ نہیں ہوئے۔

ڈاکٹر کہتے تھے کہ کینسر کی علامتیں یہ ہیں کہ مریض کو بخار ہو جاتا ہے، جسم کے مختلف حصوں میں شدید درد ہوتا ہے، معذوری کی مختلف صورتیں ہو سکتی ہیں، بھوک ختم ہو سکتی ہے، کھانا کھانا مشکل ہو سکتا ہے۔ لیکن وفات سے دو دن پہلے تک انھیں کوئی بخار نہیں تھا، کوئی درد نہیں تھا، بھوک پوری طرح لگ رہی تھی، کھانا کھا رہے تھے، نماز پڑھ رہے تھے، لطیفے سنا رہے تھے۔ سب کچھ ٹھیک تھا۔ ہاں آخری دنوں میں کچھ کم گو ہو گئے تھے، مگر ایسا نہیں تھا کہ وہ دوستوں میں بیٹھے ہوئے ہوں اور کوئی لطیف بات ان کی زبان پر نہ آئے۔

صفدر صاحب ایک سوچنے والے انسان تھے۔ ان کے خیالات سے اختلاف کیا جا سکتا ہے، لیکن ان کا بڑے سے بڑا مخالف بھی ان کے اندر پائی جانے والی خوبیوں کا انکار نہیں کر سکتا۔

جو بات صفدر صاحب کے نزدیک حق قرار پا جاتی تھی، وہ اس پر پوری قوت کے ساتھ عمل کرتے تھے۔ اس معاملے میں

www.al-mawrid.org
www.javedahmadghamidi.com

کوئی خوف، کوئی ترغیب، کوئی ناراضی، کوئی محبت، کوئی عقیدت، ان کی راہ میں حائل نہیں ہوسکتی تھی۔

ایک دفعہ جماعت کا ایک اجتماع منعقد ہورہا تھا۔ وہ صحت منداور عظیم الجثہ آدمی تھے۔ انھیں وہاں گارڈ مقرر کیا گیا۔ اجتماع کا یہ اصول تھا کہ پنڈال میں وہی شخص داخل ہوسکتا تھا جس کی قمیض پر بیج لگا ہوا ہو۔ وہ گیٹ پر کھڑے تھے۔ امیر جماعت اسلامی سید ابوالاعلیٰ صاحب مودودی اپنے قریبی احباب کے ساتھ وہاں آئے اور پنڈال کے اندر داخل ہونے لگے۔ ان کی قمیض پر بیج نہیں تھا۔ صفدر صاحب نے اپنا ہاتھ امیر جماعت کے آگے کر دیا اور سپاٹ لہجے میں بولے: ''باباجی، آپ اندر نہیں جاسکتے۔'' گردوپیش کے لوگ حیران اور پریشان ہوگئے: ''بھئی یہ امیر جماعت، مولانا مودودی ہیں۔'' مگر صفدر صاحب کے رویے میں کوئی تبدیلی نہیں آئی۔ انھوں نے جذبات سے عاری لہجے میں کہا: ''میرے لیے یہ اجنبی ہیں۔ یہاں کا اصول یہ ہے کہ پنڈال میں وہی شخص داخل ہوسکتا ہے جس کی قمیض پر بیج لگا ہوگا۔'' بالآخر بیج حاصل کیا گیا، مولانا مودودی کی قمیض پر لگایا گیا، تب صفدر صاحب نے انھیں اندر آنے کی اجازت دی۔

صفدر صاحب، جناب جاوید احمد غامدی کے شاگرد تھے، ان کے رسالے میں ان کے معاون تھے، لیکن رجم کے معاملے میں غامدی صاحب سے اختلاف ہوگیا، جس کا نتیجہ یہ تھا کہ اسی رسالے میں غامدی صاحب کے مضمون کے ساتھ ان کا تنقیدی مضمون بھی شائع ہوا۔

www.javedahmadghamidi.org
www.al-mawrid.org

ایک زمانے میں گورنمنٹ کالج، سرگودھا کی مسجد میں ایک ہر دل عزیز شخصیت جمعہ کا خطبہ دیتی تھی۔ ان کے بعد بہت سے خطبا کو آزمایا گیا، لیکن بات نہ بن سکی۔ قاضی خاور حسین اعوان ایڈووکیٹ بتاتے ہیں ''ایک جمعہ پر جب میں کالج کی مسجد میں حاضر ہوا تو ایک نئے صاحب منبر پر بیٹھے تقریر فرمارہے تھے۔ میں اسے بھی کالج انتظامیہ کی تجرباتی اسکیم کا ایک حصہ سمجھ کر مسجد کے ایک کونے میں بیٹھ گیا، تقریر کی طرف میری قطعاً توجہ نہ تھی۔ میں اپنے خیالات میں گم بیٹھا تھا کہ مقرر کا ایک جملہ زناٹے کے ساتھ میری کانوں سے ٹکرایا۔ منبر پر بیٹھے خطیب صاحب فرمارہے تھے کہ حضرات گرامی میں اگر اللہ کا کوئی ایسا حکم جس میں اس نے اپنے جلال اور غضب کا اظہار فرمایا ہو، اسے نرم اور شریں کر کے آپ کی سماعت کی نذر کروں، صرف اس خوف سے کہ سخت باتیں کرنے پر کہیں آپ لوگ مجھ سے ناراض نہ ہوجائیں اور مجھے اگلا جمعہ پڑھانے سے روک نہ دیں تو صاحبان جان لیجیے کہ ایسا کر کے میں بددیانتی کا مرتکب ہوں گا۔ اور میں اپنے اس فریضہ سے عہدہ برآ نہیں ہوں گا جو منبر رسول پر بیٹھنے کے بعد مجھ پر عائد ہوتا ہے۔ میں نے یہ جملہ سن کر پہلی بار خطیب صاحب کو غور سے دیکھا، وہ سفید سادہ سے لباس میں ملبوس تھے۔ قمیض کے کف کھلے تھے۔ سر پر مدرسے کے عام طالب علموں جیسی معمولی سی ٹوپی پہنی ہوئی تھی۔ نظر کی عینک کے پیچھے چھپی موٹی موٹی آنکھوں میں ذہانت کی چمک صاف نظر آرہی تھی۔ لہجہ ضرورت کے مطابق کبھی سخت ہوجاتا تھا اور کبھی نرم۔ مگر الفاظ بڑے نپے تلے تھے۔ میں نے باقی تقریر بڑے غور سے سنی۔ یا یوں کہہ لیجیے کہ مقرر نے مجھے سننے پر مجبور کر دیا...... اس نئے خطیب نے ہم جیسے ٹیڑھے لوگوں کے ''ٹیڑھ'' نکالنے شروع کر دیے۔ باوجود اس کے کہ ان کی باتیں بڑی سخت ہوتی

تھیں اور میرے جیسے گناہ گار انسان کو یوں محسوس ہوتا تھا کہ ہر بات مجھے مخاطب کر کے کہہ رہے ہیں، لیکن پھر بھی میں ان کی تقریر شروع ہونے سے پہلے مسجد پہنچ جاتا تھا۔''

ایک بیٹے نے کامرس کی تعلیم حاصل کی۔ تعلیم مکمل کرنے کے بعد انھیں ایک بنک میں ایک اچھی ملازمت مل گئی ـــــــ ہمارے معاشرے کے عام لوگ بنک کی ملازمت حاصل کرنے کے لیے ترستے ہیں ـــــــ صفدر صاحب نے بیٹے کو یہ ملازمت کرنے کی اجازت نہیں دی۔ انھوں نے کہا: ''اگر چہ ہم حکومت سے جو تنخواہیں لیتے ہیں، اس میں بالواسطہ سود شامل ہوتا ہے، لیکن آپ بنک کی نوکری کر کے براہ راست سودی نظام کو چلانے والے تو نہ بنیں۔'' صفدر صاحب چاہتے تو ملک میں بے روز گاری کو جواز بنا کر بیٹے کو بنک کی نوکری کی اجازت دے سکتے تھے، جس کا ظاہر ہے کہ انھیں بھی مالی فائدہ ہوتا، لیکن انھوں نے خود بھی عزیمت کی راہ اختیار کی اور بیٹے کو بھی عزیمت کی راہ دکھائی۔ لہٰذا اس بیٹے کو ایک اسکول میں ۱۶ویں گریڈ کی نوکری کرنی پڑی۔

ان کے برخوردار شعیب احمد جب ان کے ساتھ کسی معاملے میں بحث کرتے تو پوچھتے: دلیل کیا ہے؟ وہ جواب دیتے: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے۔ شعیب پوچھتے: اس کی مصلحت؟ جواب ملتا: بس کہہ دیا کہنے والے نے۔ تم ڈھونڈتے پھرو مصلحت۔

جب وہ ریٹائر ہوئے تو اس وقت انھوں نے اپنے ایک بھائی، ایک بیٹے اور دو بیٹیوں کی شادی کرنی تھی۔ ظاہر ہے کہ یہ معمولی ذمہ داری نہیں تھی۔ لیکن اس موقع پر حکومت کی طرف سے انھیں جو رقم ملی اس کا بڑا حصہ لینے سے انکار کر دیا کہ یہ سود ہے۔ کہا: کام تو اللہ کرتا ہے اور کام ہو جاتے ہیں۔

صفدر صاحب ایک حس جمال رکھنے والے آدمی تھے۔ فطرت، انسان، ادب، غرض یہ کہ جہاں خوب صورتی پاتے تو اس سے بہت متاثر ہوتے، لیکن اس کے باوجود شریعت کی پوری پابندی کرتے تھے۔ واقعی اصل جہاد یہ ہے۔ ان کا مزاج انھیں ایک طرف کھینچتا تھا اور شریعت انھیں دوسری طرف۔

افغانستان میں پچھلے دنوں جو کچھ ہوا، اس کو انھوں نے دل سے لگا لیا تھا، بلکہ یہ کہنا مناسب ہوگا کہ انھیں اس کا روگ لگ گیا تھا۔ جمعہ کے خطبے میں وہ خود بھی روتے اور مخاطبین کو بھی رلاتے۔ ان کا نقطۂ نظر حکومتی موقف سے مختلف تھا۔ وہ حکومت کے ملازم تھے، سرکاری کالج کی مسجد کے خطیب تھے، سرکاری اقامت گاہ میں رہتے تھے، مگر اس کے باوجود وہ اپنا موقف کھل کر بیان کرتے اور حکومت پر سخت تنقید کرتے تھے۔

استاد شاگرد کے تعلق کے معاملے میں صفدر صاحب مشرقی مزاج کے آدمی تھے۔ وہ استاد کو غیر معمولی مقام ومرتبہ دیتے تھے۔

شعیب صاحب کے بقول وہ استاد کی اتنی عزت کرتے تھے کہ استاد شرمندہ ہو جاتا تھا۔ شعیب صاحب بتاتے ہیں کہ ایک

دفعہ میرے ایک استاد نے مجھے بہت مارا۔ میں اباجی کے پاس آگیا اور شکایت کی۔ اباجی نے کہا: چلو چلتے ہیں ان کے پاس۔ وہ استاد کے پاس آئے اور بولے: اسے اگر مارنا ہی تھا تو اتنا مارنا تھا کہ یہ آپ کی شکایت کرنے کے قابل نہ رہتا۔

ان کے دوست خواجہ کفایت اللہ سدیدی بتاتے ہیں: ''آپ صرف پڑھاتے ہی نہ تھے، پڑھتے بھی تھے۔ قدیم عربی پر عبور حاصل کرنے کے لیے غامدی صاحب کی شاگردی بھی فرمائی۔ وہ اپنے کم عمر اور مختصر سے استاد کے سامنے یوں باادب اور دوزانو بیٹھتے کہ عقل دنگ رہ جاتی۔ وہ مجھے قرون اولیٰ کے شخص لگتے تھے۔''

ان کے اندر سیکھنے کا شوق غیر معمولی تھا۔ وہ غامدی صاحب کے شاگرد تھے، لیکن عمر میں ان سے کافی بڑے تھے۔ اسی طرح جب انھوں نے یونیورسٹی میں ایم اے کرنے کے لیے داخلہ لیا تو ان کی عمر ۴۲ برس تھی۔ اس عمر میں نوجوانوں کے ماحول میں لوگ نفسیاتی مسائل کا شکار ہو جایا کرتے ہیں اور تعلیم ادھوری چھوڑ دیا کرتے ہیں، لیکن وہ کسی ایسے مسئلے کا شکار نہیں ہوئے اور اپنی تعلیم مکمل کی۔

صفدر صاحب ایک دوست دار آدمی تھے۔

وہ دوستوں کے کام کو اپنا کام سمجھ لیتے تھے۔ بارہا ایسا ہوتا وہ اپنے گھر کے باہر باغیچے میں چارپائی پر بیٹھے ہوتے تھے۔ کوئی دوست آ گیا۔ بولا: میرے ساتھ راولپنڈی چلیں تو وہ اسی وقت چل پڑتے۔ پھر راستے میں یا راولپنڈی پہنچ کر سوچتے کہ یہاں میرا کون کون واقف ہے جس سے تعاون لے کر اس دوست کی مدد کی جائے۔

وفات سے ایک ہفتہ قبل ان کے ایک دوست گھر آئے ——— یاد رہے کہ صفدر صاحب کو ڈاکٹر یہ کہہ چکے تھے کہ وہ چند ہفتوں سے زیادہ زندہ نہیں رہ سکتے ——— صفدر صاحب اس وقت گھر پر نہیں تھے، کسی اور دوست کے ہاں گئے ہوئے تھے۔ اِس دوست نے ان کے چھوٹے بیٹے کو اپنے ساتھ لیا اور اُس دوست کے ہاں پہنچ گئے اور کہا: میرے ساتھ چلیں۔ پہلے فیصل آباد جانا ہے اور پھر اسلام آباد۔ صفدر صاحب نے کہا: میری ٹوپی گھر پر ہے۔ اس دوست نے کہا: ٹوپی گھر سے لے لیتے ہیں۔ صفدر صاحب ان کے ساتھ گھر آئے۔ ٹوپی لی اور فیصل آباد چلے گئے۔ تین دنوں کے بعد گھر لوٹے...... اور اس کے چار دن کے بعد فرشتوں کے ساتھ اپنے پروردگار سے ملاقات کے لیے چلے گئے۔

شعیب صاحب کہتے ہیں: ''ہر آدمی کا اپنا ایک زمانہ ہوتا ہے۔ اپنا Age group۔ لیکن اس آدمی کا کوئی Age group نہیں تھا۔ وہ سب کا ہم عمر تھا۔ سب کے ساتھ ان کے برابر۔ میں نے ایسا بہت کم دیکھا ہے کہ کسی آدمی کا احترام اس کے بزرگ کرتے ہوں اور اس سے محبت اس کے ہم عمر کرتے ہوں اور اس کی دوستی کا بھرم نوجوان بھرتے ہوں۔ میں نے اس کے بزرگوں کو اس کے ہاتھ چومتے، اس کے دوستوں کو اس کے گرد پروانوں کی طرح منڈلاتے اور نوجوانوں کو اس کے ساتھ محفلیں جماتے اپنی آنکھوں سے دیکھا ہے۔'' ......''جو لوگ تحصیل شاہ پور کے موضع شریفہ میں میرے والد کے جنازے میں شریک ہوئے اور جنھوں نے چھوٹے سے قبرستان کو جانے والی کچی سڑک کے کنارے پر آم کے درخت کے نیچے رکھی ہوئی

چار پائی پر محو آرام اس شخص کا آخری دیدار کیا ہے، وہ کیسے بھول سکتے ہیں کہ شدید گرمی میں لیٹے ہوئے اس آدمی کی چار پائی کے آس پاس اس سے محبت کرنے والوں کا ایک ہجوم تھا جس میں وہ بھی تھے جو اس کے رشتے دار تھے اور وہ بھی جو اس کے رشتے دار نہیں تھے۔ وہ بھی تھے جن کی عمریں ستر سے متجاوز تھیں اور وہ بھی تھے جن کی مسیں ابھی بھیگ رہی تھیں۔ اس کی چار پائی کے آس پاس وہ بھی تھے جن کے سروں پر پگڑیاں تھیں اور ان کی داڑھیاں لمبی تھیں اور چہروں پر نور تھا اور وہ بھی تھے جنھوں نے فرنگی لباس پہنے ہوئے تھے اور وہ بھی تھے جنھوں نے تہ بند باندھے ہوئے تھے اور ان کے کندھوں پر چادریں تھیں۔ ہجوم میں وہ بھی تھے جو دور دراز سے اپنی اپنی گاڑیوں میں بیٹھ کر آئے تھے اور وہ بھی تھے جو رکشوں، موٹر سائیکلوں، سائیکلوں اور تانگوں پر آئے تھے۔ ہجوم میں وہ بھی تھے جو علی الصبح اپنے اپنے گاؤں سے پیدل چل پڑے تھے اور ان کے جوتے غبار سے اٹ گئے تھے اور ان کے کپڑوں پر اور ان کے چہروں پر گرد اڑ رہی تھی۔''

صفدر صاحب کے ہاں بعض معاملات میں ڈٹ جانے کی عادت میں ایک لچک بھی پائی جاتی تھی۔

شعیب جب میٹرک تک پہنچے تو صفدر صاحب نے انھیں سائنس کے ساتھ میٹرک کرنے کے لیے کہا۔ شعیب نے آرٹس کے ساتھ میٹرک کرنے کی خواہش کا اظہار کیا۔ صفدر صاحب نے اپنی بات پر اصرار کیا۔ میٹرک کا امتحان ہوا اور شعیب فیل۔ اس مسئلے پر پھر باپ بیٹے میں بحث ہوئی۔ مگر صورت حال میں کوئی تبدیلی نہ آئی۔ پھر امتحان دیا اور برخوردار پھر فیل۔ تیسری دفعہ پھر یہ عمل دہرایا گیا۔ ادھر امتحان لینے والوں نے بھی وہی نتیجہ دہرا دیا۔ تب صفدر صاحب نے شعیب سے کہا کہ ایک دفعہ سائنس کے ساتھ میٹرک پاس کر لو تو اس کے بعد چاہے آرٹس رکھ لینا۔ شعیب نے اس دفعہ امتحان دیا اور پاس ہو گیا اور پھر ایف اے میں داخلہ لے لیا۔

اسی برخوردار نے اپنی پسند کی جگہ پر شادی کرنی چاہی۔ صفدر صاحب نے کہا: اس کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ وقت گزرتا گیا۔ باپ بیٹا اپنے اپنے موقف پر قائم رہے۔ اور پھر ایک دن صفدر صاحب نے شعیب کو اس کی پسند کی جگہ پر شادی کرنے کی اجازت دے دی۔ شادی کے بعد صفدر صاحب اپنی اس بہو کا زیادہ خیال رکھتے تھے، اسے دوسری بہوؤں کے مقابلے میں زیادہ اہمیت دیتے تھے کہ کہیں یہ محسوس نہ کرے۔

شعیب احمد نے ان کی مطلوب راہ اختیار نہیں کی، لیکن اس کے باوجود صفدر صاحب کو ان کے ساتھ بڑی محبت تھی۔ ایک دفعہ اپنے ایک دوست سے کہنے لگے: تم نے وہ کہانی تو سنی ہو گی کہ جس میں جادوگر کی جان طوطے میں ہوتی ہے۔ ایسے ہی میری جان شعیب میں ہے۔ مجھے اس سے جذباتی لگاؤ ہے۔ وہ اس کے لیے شعر کہتے۔ تحریر لکھتے تو ابوشعیب صفدر علی کے نام سے لکھتے۔ اس کے لیے روتے۔ اس سے ناراض ہوتے۔ اس سے ترک کلام کرتے۔ ناراضی پر بڑا دردانگیز خط لکھتے۔ شعیب کی شعروشاعری کو پسند نہ کرتے، لیکن اس کی غیر موجودگی میں اپنے دوستوں کو اس کے اشعار سناتے۔ شعیب اپنے والد کے سامنے سگریٹ نہیں پیتے تھے۔ ایک دفعہ دونوں باپ بیٹا باتیں کر رہے تھے۔ شعیب کو سگریٹ کی طلب ہوئی۔ اندر کی بے چینی

www.javedahmadghamidi.org

چہرے سے ظاہر ہونے لگی۔ صفدر صاحب نے صورت حال کو بھانپ لیا۔ بولے: میں تمھاری حالت کو سمجھ رہا ہوں، لیکن میرے پاس سے اٹھ کر نہ جانا۔ میرے سامنے ہی سگریٹ پی لو۔

صفدر صاحب کی بذلہ سنجی بھی بے مثال تھی۔

شعیب احمد کا مذہب کی طرف میلان نہ ہو سکا۔ وہ شعر و ادب کا زیادہ ذوق و شوق رکھتے تھے۔ صفدر صاحب اس صورت حال سے بہت پریشان رہتے تھے۔ شعیب ایک ذہین طالب علم تھے۔ صفدر صاحب انھیں کہتے: تم مجھے جب بتاتے ہو کہ میں فسٹ آیا ہوں تو مجھے خوشی نہیں ہوتی، کیونکہ مجھے معلوم ہوتا ہے کہ تم نے نماز نہیں پڑھی ہوئی۔ میرے دوسرے بیٹے اپنے فیل ہونے کی خبر سنائیں تو مجھے افسوس نہیں ہوتا، کیونکہ مجھے معلوم ہوتا ہے کہ وہ نماز پڑھتے ہیں۔ صفدر صاحب کے بڑے بیٹے کا نام جاوید ہے۔ ایک دفعہ صفدر صاحب نے شعیب سے کہا: اگر کوئی مجھے یہ کہے کہ جاوید سینما گیا ہے تو میں سمجھوں گا کہ وہاں کوئی جہاد کی فلم لگی ہوگی۔ اور اگر کوئی مجھے یہ کہے کہ تم مسجد میں گئے ہوئے ہو تو میں سمجھوں گا کہ وہاں کوئی ادبی تقریب ہو رہی ہوگی۔

ایک دفعہ گورنمنٹ کالج، سرگودھا میں مقابلہ حسن قرأت کا انعقاد ہو رہا تھا۔ اس میں لڑکوں اور لڑکیوں، دونوں نے شریک ہونا تھا۔ صفدر صاحب نے اسے درست نہ سمجھا۔ انھوں نے انتظامیہ کو اس سے روکنے کی بہت کوشش کی، مگر کامیابی نہ ہو سکی۔ وہ احتجاجاً اس تقریب کا بائیکاٹ کرتے ہوئے جا رہے تھے کہ راستے میں ہال کی طرف آتے ہوئے ایک پروفیسر صاحب سے ملاقات ہو گئی۔ پوچھا: کہاں جا رہے ہیں؟ پروفیسر صاحب نے جواب دیا: مقابلہ حسن قرأت دیکھنے۔ صفدر صاحب فوراً بولے: جی ہاں، مقابلہ حسن و قرأت۔

انیس مفتی صاحب صفدر صاحب کے دوست ہیں۔ انھوں نے بتایا کہ جب انھوں نے تدفین سے پہلے صفدر صاحب کا آخری دیدار کیا تو اس وقت بھی ایک شرارت آمیز مسکراہٹ ان کے چہرے پر موجود تھی۔

احسان دانش نے کہا ہے:

موت کے پردے سے کم ہوتی نہیں تابندگی
اس طرف بھی زندگی ہے اس طرف بھی زندگی

ہمیں امید ہے کہ ابوشعیب کی اُس طرف کی زندگی بھی تابندگی سے معمور ہوگی۔

www.al-mawrid.org
www.javedahmadghamidi.com